نئی شاعری اور جدید شعریات

New Poetry and Modern Poetics

مبشرہ علی، پی ایچ۔ڈی اسکالر شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور
ڈاکٹر نسیمہ رحمٰن، ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

In the decade of 1960s from " Halqa e Arbab e Zoq" a new trend of poetry emerged as a revolt against prevelant linguistic principles. In this context new poets presented the theory of " Nae Lisani Tashkilat" which totally changed syntax of urdu language. That's how the structure of modern urdu verse was devised and 'words' were given the status of 'Thing' through new metaphorical symbols, rules and personification, so new urdu verse was bestowed complexity. In this regard modern poets introduced this form of new poetry into their verse. This article presents a study of above said literary movement and analyses the all aspects of new poets who personified the new verse.

Keywords: Wittegenastine, Logical Monism, Halqa e Arbab e Zoq, Modern Urdu Poetry

بیسویں صدی میں انجمن پنجاب کے بطن سے نمویاب اردو نظم حالیؔ، آزادؔ اور دیگر ماقبل شعرا کے ہاتھوں پرورش و پرداخت کی منازل طے کرتی ہوئی پابند، معریٰ اور آزاد نظم کی ہیئتوں میں اپنا آپ منوا چکی تھی۔ سن ساٹھ کی دہائی کے ابتدائی سالوں میں یہ صنفِ سخن ایک انتہائی اہم اور نئے موڑ سے آشنا ہوئی۔ حلقہ ارباب ذوق جو کہ جدت کا داعی اور پرستار گردانا جاتا ہے، اس کے بطن سے نئی شاعری کا ظہور ہوا۔ نئی شاعری کی اس تحریک کا خمیر معاصر مغربی فلسفی وٹگنسٹائن (Wittegenastine) اور دوسرے منطقی اثباتیت پسند فلسفیوں کے افکار سے اٹھا جنہیں ہم ''ویانا سرکل'' کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ بیسویں صدی کے مغربی فلسفے پر وٹگنسٹائن اور اس کے دیگر ہم خیال فلاسفرز نے جو اثرات مرتب کیے ان کی گونج عالمی ادب پر تادیر باقی رہی۔ وٹگنسٹائن نے الفاظ کو محض خارجی حسیت کا مظہر قرار دیتے ہوئے Logical Monism پر اصرار کیا اور جملوں کی بیرونی ساخت کو ایسے بہت سے خارجی حقائق کا تسلسل قرار دیا جو طبیعاتی سطح پر موجودہ چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ بقول شمیم حنفی:

''وٹگنسٹائن نے اس مسئلے کو ایک نئی فلسفیانہ جستجو کا موضوع بنایا اور زبان کے منطقی تجزیے کی ایک نئی طرح ڈالی۔ جدیدیت کے ضمن میں اس مسئلے کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ نئے شعری تجربوں کو بعض حلقوں میں ہیت پرستی سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس فکر کو نظرانداز کر دیا گیا جس نے لفظ کے تخلیقی استعمال، استعارہ سازی اور پیکر تراشی کے نئے معیار قائم کیے اور زبان کو خیال کے پیکر کے بجائے انسان کی ذہنی حسی اور جذباتی کائنات سے مربوط حقیقت کے روپ میں دیکھا۔ وٹگنسٹائن کا ''فلسفہ منطق رسالہ'' زبان کے علمی مطالبہ میں ایک نیا قدم ہے جس کی بنیاد پر منطقی اثباتیت پسند کے باقاعدہ نظریے کی تشکیل ہوئی۔''[۱]

ہندوستان میں نئی شاعری کا آغاز ۱۹۵۵ء اور ۱۹۶۰ء کے درمیانی عرصہ میں ہوا۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے مطابق ''اسی شہر لاہور میں ۱۹۵۸ء کے لگ بھگ نئی شاعری کی پہلی صبح طلوع ہوئی تھی''[۲] فضیل جعفری کے بقول ''ہندوستان میں ۱۹۶۰ء سے یوں تو کچھ پہلے ہی جدید طرزِ احساس اور طرزِ اظہار والی نظموں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔''[۳] ڈاکٹر سعادت سعید کے نزدیک ''نئی شاعری ۱۹۵۵ء کے لگ بھگ اپنا خاکہ تیار کرتی ہے۔''[۴] معروف صاحب بصیرت نقاد شمس الرحمٰن فاروقی اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''خالص میکانکی اور زمانی نقطہ نظر سے ''نئی شاعری'' سے میں وہ شاعری مراد لیتا ہوں جو ۱۹۵۵ء کے بعد تخلیق ہوئی ہو۔ ۱۹۵۵ء کے پہلے کے ادب کو میں نیا نہیں سمجھتا ہوں۔ اس کا مطلب یہ نہیں ۱۹۵۵ء کے بعد جو کچھ بھی لکھا گیا وہ سب نئی شاعری کے زمرے میں آتا ہے اور یہ بھی نہیں کہ ۱۹۵۵ء کے پہلے ادب میں ''جدیدیت'' کے عناصر نہیں ملتے۔ میری اس تعین زمانی کی حیثیت صرف ایک Point of Reference کی ہے''[۵]

محض حوالہ دینے سے قطعی تعین کا معاملہ کھٹائی میں پڑ گیا اور ابہام کی صورت پیدا ہو گئی۔ بہر کیف سن ساٹھ کی دہائی میں پاکستان میں نوجوان ادیبوں کا ایسا گروہ سامنے آیا جو روایت کی ضرورت سے منکر ہو کر ''جدیدیت'' کے خدوخال متعین کرنے میں منہمک رہا۔ افتخار جالبؔ، انیس ناگی اور صفدر میرؔ نے ابتداً نئی شاعری پر تنقیدی مضامین پیش کیے۔ ان تخلیقات کا مقصد یہ ثابت کرنا تھا کہ اردو شاعری کے لیے نئی نظم ناگزیر ہے۔ انیس ناگی اور افتخار جالب کے درمیان ہونے والی گفتگو اسی امر کی غماز ہے۔ ڈاکٹر انیس ناگی کہتے ہیں:

''ہم دونوں اس بات پر متفق تھے کہ گذشتہ نسل کی شاعری پھسپھی ہو چکی ہے۔ معاصر اردو شاعری کے نہ صرف موضوعات بدلنے کی ضرورت ہے بلکہ اس کا لسانی لب لہجہ بھی تبدیلی چاہتا ہے۔ غزل کے شعری معیار فرسودہ ہو چکے تھے۔ ہمیں نئے شعری آہنگوں کی ضرورت

تھی۔آج جو نظمیں نئے شعرا لکھ رہے ہیں ان میں تبدیلی کا احساس ملتا ہے۔ان تمام عناصر کو یکجا کر کے ان کی تصوراتی تشکیل کی جاتی تھی۔''۷

حلقہ ارباب ذوق کے پلیٹ فارم سے نئی نظمیں اور تنقیدی مضامین پیش کرنے پر ان اصحاب کو بے حد پذیرائی ملی مگر ادیبوں کا ایک بڑا ٹولا ان کے خلاف ہوگیا۔ظہیر کاشمیری، ممتاز حسین اور قتیل شفائی نے کمر ٹھونک لی۔ انتظار حسین نے اپنے مضمون ''پوچھتے ہیں وہ کہ مادھوکون ہے؟'' میں نئی شاعری پر خوب تیر چلائے۔عارف امان اور عزیز الحق نے حلقہ ارباب ذوق میں ہفتہ وار تحریری اور زبانی یلغار شروع کردی۔افتخار جالب، انیس ناگی اور جیلانی کامران کو جو کٹھی لڑائی لڑنا پڑ رہی تھی۔اس زمانے میں حلقہ ارباب ذوق ایک آزاد براڈ کاسٹنگ ہاؤس کی حیثیت اختیار کر چکا تھا۔جہاں پہلے ترقی پسند اور ادب پرست اپنے اپنے مکتبہ فکر کے حوالے سے نئے شاعروں کو ہدف تنقید بناتے۔پھر پاک ٹی ہاؤس میں قیوم نظر، شہرت بخاری اور ناصر کاظمی کی سرپرستی میں نئے شاعروں کی دو بارگت بنائی جاتی۔

بہر کیف ان بے شمار اور بے ہنگم آوازوں کے شور میں بھی نئی شاعری اپنی شعری قوتوں کے بل بوتے پر نہ صرف زندہ رہی بلکہ پوری توانائی اور تخلیقی تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے نئی نئی جولاں گاہوں کی بازیافت میں مہمک رہی۔نئی شاعری کیا ہے؟ اس ضمن میں کمار پاشی کہتے ہیں کہ:''نئی شاعری سے میری مراد اس شاعری سے ہے جسے میرے عہد کے انسان نے تخلیق کیا ہے۔''۷ عمیق حنفی ''نئی شاعری'' کی تعریف یوں کرتے ہیں:''نئی شاعری حسی تجربات کے اظہار کا نام ہے''۸ نئی شاعری جدید شعریات کا اظہار ہے، جس میں جدیدیت کی کارفرمائی ملتی ہے۔شمس الرحمٰن فاروقی، عقیل احمد صدیقی، باقر مہدی نئی شاعری کو جدیدیت کے آغاز سے مشروط قرار دیتے ہیں، جب کہ دیگر موقر ناقدین خلیل الرحمٰن اعظمی، ن۔م راشد، آل احمد سرور، جابر علی سید، جمیل جالبی اور شمیم حنفی جدیدیت کو اضافی چیز متصور کرتے ہیں۔بلاشبہ جدید اردو نظم کا آغاز حالی اور آزاد نے کیا جو کہ روایت اور قدامت سے اولین انحراف تھا۔لیکن زندگی کے ارتقا میں کوئی شے مطلق نہیں بلکہ زندگی اپنے مخصوص جدلیاتی عمل کے ذریعے مائل بہ ارتقا ہے اور ہر وہ چیز جو زندگی کو پیچھے دھکیلنے کے بجائے آگے کی طرف لے جاتی ہے، جدید ہے۔تاہم اقبال، میرا جی اور راشد کے استثنا کے ساتھ اردو نظم میں اُس حسیت کے نشانات نمایاں نہیں ملتے جسے جدیدیت کے میلان سے ہم آہنگ کہا جا سکے۔ڈاکٹر شمیم حنفی کی موقر رائے ملاحظہ کیجیے:

''اقبال اور میرا جی کے گنجینۂ افکار میں گرچہ نئی حسیت کے اولین نشانات کا خاکہ صاف دکھائی دیتا ہے ---- راشد کی فکر کے ارتقائی مدارج پر نظر ڈالنے سے یہ حقیقت روشن ہوجاتی ہے---- ان کے آخری دور کی شاعری جدیدیت کے میلان سے گہری مطابقت رکھتی ہے اور نئی شاعری کے سرمائے کا ایک ناگزیر اور قابل قدر حصہ بن چکی ہے۔''۹

نئی شاعری نے حلقہ اربابِ ذوق کی وساطت سے ترقی پسند شاعری کے جمود کو توڑتے ہوئے مروجہ شاعری کے شعری نظام کو بھی مکمل طور پر رد کیا اور نئے شعری باطن کی تلاش سے جدید شعریات، نئی لغت، نئی جدلیات اور نئے اسالیب کی بنیاد رکھی۔ نئے شعرا نے لسانی تشکیلات کے ذریعے لسانی حرمتوں کے خلاف آواز اٹھائی اور شعر و ادب کی تخلیق کے لیے مروجہ زبان کے ڈھانچے کو توڑ کر نئی زبان کی ضرورت پر زور دیا۔ نئے شعرا نے زبان کے روایتی ڈھانچے کی شکست و ریخت کے ساتھ ساتھ زبان کی نحوی ترتیب کو بھی توڑنے کا عمل شروع کیا۔ انھوں نے نئے تجربے کی ترسیل کے لیے نئی شعری لغت کا ڈھانچہ ترتیب دیا۔ نئے شعرا نے نئی شاعری میں ابلاغ اور ترسیل کے لیے بنیادی وسیلہ زبان کو قرار دیتے ہوئے یہ سوال اٹھایا کہ: ''آخر شعرا کے لیے یہ کیوں ضروری ہے کہ وہ الفاظ کو کم و بیش اسی مفہوم میں استعمال کریں جس میں وہ کلاسیکی ادب یا عام بول چال میں مستعمل ہیں۔ مفہوم کی پرواہ کیے بغیر الفاظ کے نئے رشتے کیوں نہ دریافت کیے جائیں۔''[۱۰] نیا شاعر نئی دریافتوں میں مصروف عمل رہا۔ اس کا مطمع نظر اپنی ذات کی دریافت ہے جو شعری نظام میں انسان کی دریافت بن کر ابھرتی ہے۔ نئے شاعر کا نیا شعری تجربہ نئے وسائل کا متقاضی ٹھہرا۔ یوں وہ مروجہ اور روایتی اصول و ضوابط سے بغاوت کرتے ہوئے موثر شعری وسائل کی تلاش کرتا ہے۔ اس تلاش و اکتساب کے عمل میں نئے شاعر کا بنیادی وسیلہ لفظ ہے جسے وہ نئی جہات میں پیش کر کے نئی شاعری کو جدید شعریات سے روشناس کراتا ہے۔ انیس ناگی لکھتے ہیں:

> ''ہمارا لسانی حرمتوں کا تصور بدل گیا ہے۔ آج شاعر کے لیے لفظ معنی کا جامہ نہیں۔ نیا شاعر لفظ کو Sign اور علامت بنا کر نئی لسانی حرمتوں کی تشکیل کر رہا ہے۔ نئے شاعر کے لیے چونکہ لفظ علامت ہے اور اس کے استعمال کا قرینہ ہماری شعری روایت کے لیے کسی قدر غیر مانوس ہے۔۔۔۔نئی شاعری میں الفاظ کی معنوی توڑ پھوڑ، نئی تراکیب اور نئے امیجز اسی عمل کو پیش کرتے ہیں۔''[۱۱]

نئی شاعری زبان کی لغت میں الفاظ کی معنوی توڑ پھوڑ کے سلسلہ میں مروجہ الفاظ کو نئے معانی عطا کرتے ہوئے اس کے استعاراتی استعمال کو اہم گردانتی ہے۔ یہ عمل دو ظاہراً مختلف اشیا میں کوئی رشتہ تلاش کر کے ان اشیاء میں انطباق پیدا کرنے سے عبارت ہے۔ زبان کے استعمال کا استعاراتی عمل ایک لامتناہی عمل ہے اور یہ زبان میں ترقی کا باعث ہے۔ گویا شاعری زبان کی مخصوص تنظیم سے عبارت ہے اور تنظیم کا یہ عمل شعوری اور ارادی عمل سے انجام پاتا ہے۔ شاعری میں زبان کے مخصوص طریقِ استعمال کو افتخار جالب نے ''لسانی تشکیلات'' کا نام دیا اور اس کی بنیاد مروجہ تلازمات سے گریز، لفظ کی شئیت اور لسانی ضابطوں کی شکست و ریخت پر رکھی۔ وہ لکھتے ہیں:

> '' لسانی تشکیلات الفاظ کو اشیاء کی نمائندگی کی بجائے بطور اشیاء مرکب ترکیبی کے مشمولات میں جگہ دیتی ہیں۔۔۔۔الفاظ کو بطور اشیا استعمال میں لایا جائے تو تجسیم و تخصیص کے

حضائص اجاگر ہوتے ہیں اور بے رنگ عمومیت سے جان بچ جاتی ہے۔ الفاظ بطور اشیا شعروادب سے باہر کوئی وجود نہیں رکھتے۔ الفاظ کو بطور اشیا وجود دینے میں تخلیقی فن کاروں کو پورا پورا اختیار ہے۔''[۱۲]

گویا الفاظ جب بطور اشیاء جلوہ گر ہوتے ہیں تو شاعر کے تجربے اور اظہار میں وسعت کا باعث بنتے ہیں۔ نیا شاعر لفظ کی ظاہری صورت اور لغوی مفہوم کے بجائے اس کے حسی ادارک اور ثانوی معانی کو اہم گردانتا ہے۔ افتخار جالبؔ کہتے ہیں کہ لفظ کے ایک متعین معنی نہیں ہوتے۔ جب ہم لفظ کو بطور شے استعمال کرتے ہیں تو اس کے متعلقات اور اس سے وابستہ دوسری اشیا کی طرف بھی ہمارا ذہن منتقل ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کے مفاہیم میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ الفاظ کی مدد سے ذہن میں امیج بنتا ہے۔ جب ہم لفظ کو بطور شے استعمال کرتے ہیں تو پھر امیج ایک نہیں رہتا اس میں وسعت آجاتی ہے اور یہ امیج چونکہ لفظ کی شیئت اور علامت کی باہمی پیوستگی سے تشکیل پاتا ہے اس لیے اس کی معنویت خصوصی ہوتی ہے۔ نئے شاعر کے ہاں امیج کی تخلیق کا تعلق ادارک اور فکری عمل سے ہے اور اس کی حیثیت ایک محاکاتی استعارے کی ہے جو کہ اختصار اور وسعت دونوں سے مزین ہوتا ہے۔ انیس ناگی کہتے ہیں کہ نئے شاعر کا تجربہ مختلف ہے اس لیے اس کا یہ تجربہ نئی شعری لغت کا تقاضا کرتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے کوئی خاص شعری زبان ضروری نہیں۔ وہ مختلف زبانوں کے الفاظ کو نئے رشتوں میں پیوست کرکے زبان کی نئی سطح پیدا کررہا ہے ۔شاعر اپنے تجربات اور محسوسات کے اظہار کے لیے زبان کے مختلف وسائل کو بروئے کار لاتا ہے، جن میں ایک اہم ذریعہ تمثال اور محاکات کا ہے۔ پرانا شاعر تمثال میں بہت محدود اور قریبی مماثلتوں کو استعمال میں لاتا تھا جب کہ جدید شعریات میں دُور کی مشابہتوں اور مماثلتوں کی تلاش منتہائے مقصود ہے۔ انیس ناگی تمثال سازی میں الفاظ کو ثانوی اہمیت دیتے ہیں:

''الفاظ کا باہمی رشتہ جب غیر مرئی کو مرئی کا روپ دیتا ہے تو محاکاتی طرز ادا جنم لیتا ہے۔ الفاظ جو امیج تعمیر کرتے ہیں اس کی تکمیل کے بعد اپنی معنویت کھو بیٹھے ہیں۔ باالفاظ دیگران کی انفرادی حیثیت ختم ہوجاتی ہے۔''[۱۳]

نئی شاعری میں تمثال سازی کے حوالے سے انیس ناگی کا نظریہ زیادہ موثر نہیں ہے۔ ڈاکٹر سعادت سعید کہتے ہیں۔''انیس ناگی نے الفاظ کو ظرف اور معانی کو مظروف ہی سمجھا ہے اور یوں اس غلطی کا ارتکاب کیا ہے جو تشبیہ اور استعارے کو کلام کا زیور سمجھنے والے نقاد کرتے ہیں۔''[۱۴] محاکات کی تعمیر و تشکیل میں استعارہ معاون و مددگار ہوتا ہے ۔استعارہ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے اور استعارہ کیسے جنم لیتا ہے۔ قاضی محمد اسلم اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ''انسانی ذہن مسلسل موجود سے غیر موجود اور کم مجرد سے زیادہ مجرد کی طرف سفر کررہا ہے۔ اس سفر میں مشکلات سے دوچار ہونے والے افراد کو امداد کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ امداد ٹھوس اشیا کے وجود سے میسر آتی ہے۔

اس لیے جب کسی کم ٹھوس چیز کی تصویر کشی کے لیے کسی زیادہ ٹھوس چیز کی ضرورت پیش آتی ہے تو استعارہ جنم لیتا ہے۔''۱۵شاعر اپنے تجربات کو حسی صورت کے بالواسطہ بیان کے لیے استعارے کا سہارا لیتا ہے۔ جب وہ کسی لفظ کو بطور استعارہ استعمال کرتا ہے تو اس کی ظاہری صورت اور لغوی معانی کے بجائے ان دونوں کی معنوی مماثلت کو پیش نظر رکھتا ہے۔ وہ استعارے کی مدد سے مجرد خیالات کو ٹھوس اور محسوس صورت میں پیش کرتا ہے۔ یوں استعارہ مختلف اشیا کی مشترک خصوصیات کو اپنے اندر سمیٹتا اور مجرد اشیا کو بھی مجسم صورت میں پیش کرنے کا وسیلہ بنتا ہے۔ مزید برآں استعارہ زبان کو تقویت دے کر اس کے اظہار کی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے۔ ممتاز حسین لکھتے ہیں:

> ''کسی بھی حقیقی تجربے کی حرف بہ حرف سچائی کو صرف استعارے ہی کے ذریعے پیش کیا جا سکتا ہے جو اس کو قطعیت کے ساتھ محدود نہیں کرتا بلکہ اس کی لامحدودیت کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔ استعارہ، مستعار منہ، سے آگے گزر جاتا ہے۔ یہ حقیقی تجربے کو لوٹا دیتا ہے نہ کہ اسے گھیرتا اور متعین کرتا ہے جو کہ ایک منطقی تصویر کا کام ہے۔ استعارہ صرف خیال ہی کو نہیں چھوتا بلکہ خیال کے ساتھ جو جذبات واحساسات وابستہ ہوتے ہیں۔ ان کی شدت اور گہرائی کو بھی ابھارتا ہے۔''۱۶

اظہار کا بہترین وسیلہ ہونے کی بنا پر استعارہ کو شعری لسانیات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اسی بنا پر نئے شعرا نے استعاراتی طرز اظہار کو اپنایا۔ لسانی تشکیلات میں استعاراتی طرز اظہار کے ضمن میں دو حقیقتوں کے درمیان استعارے کے وسیلے کو توڑا جاتا ہے۔ استعارے کے دونوں ارکان یعنی مستعارلہٗ اور مستعار منہٗ کے مابین مماثلت اور مشابہت کا قریبی رشتہ ہوتا ہے۔ جب لسانی تشکیلات کے زیر اثر زبان کے ڈھانچے کی شکست و ریخت کا عمل شروع ہوا تو استعارہ کا قدیم تصور بھی پاش پاش ہو گیا۔ نیا شاعر مستعارلہٗ اور مستعار منہٗ کے مابین قرب کے بجائے بعید کا رشتہ استوار کرتا ہے۔ لسانی تشکیلات کے اس تصور کے مطابق جب ہم ایک لفظ کو بطور شے استعمال کرتے ہیں تو اس کے تعلقات میں بعید کی مماثلت ہر لفظ کو استعارہ کا درجہ دیتی ہے۔ یوں نئے شاعر کے ہاں استعارے کثیر الجہات معنی کی رمز رکھتے ہیں۔ افتخار جالبؔ استعارہ کے علامتی استعمال پر زور دیتے ہوئے ایسے استعارے وضع کرنے کے قائل ہیں جو چار چھ مشابہتوں اور آٹھ دس مغائرتوں کا بیک وقت احاطہ کرنے کا وسیلہ بنیں۔ گویا جدید شعریات کا غالب رجحان پیچیدہ استعاروں کی نو بہ نو تخلیق ہے۔ نئی شاعری اور جدید شعریات کے ضمن میں نیا شاعر نئے استعارے، جدلیاتی لفظ اور اساطیر پر زور دیتے ہوئے بالواسطہ طرز اظہار کو مطمع نظر گردانتا ہے، جس کی بناء پر ابہام اور پیچیدگی کی کیفیت در آنا لازمی امر ہے۔ یہ طرز اظہار تربیت یافتہ قاری کا متقاضی ہے جو فنی سوجھ بوجھ رکھتا ہو کیونکہ ابہام تخلیق میں کم ہوتا ہے اور قاری کے ذہن میں زیادہ ہوتا ہے۔ اگر قاری روایتی افہام و تفہیم کے طریقے سے گریز کرے تو اس کا ذہن نئے شاعر کے مافی الضمیر تک یقیناً رسائی حاصل کر لے گا۔

درحقیقت نئی شاعری کا ابلاغ ایک نئے قسم کے ذوق شعر، نئی شعریات سے واقفیت اور شاعری کے نئے طریقہ کار سے آگاہی کا تقاضا کرتا ہے۔ ابہام کے ذریعے شاعری میں مختلف النوع تصورات تلازمات اور امکانات کو

فروغ ملتا ہے،جس سے شعر کی جمالیاتی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔گویا نظم کی معنویت نظم میں نہیں قاری کے ذہن سے متصل ہوتی ہے۔ڈاکٹر سعادت سعید لکھتے ہیں:

> ''ان شاعروں نے نظم لکھنے کی نئی تکنیک اختیار کی۔۔۔۔نئے شاعروں نے اپنی صلاحیتوں کے کھلے میدانوں میں کھل کر کھیلا ہے اور اپنے امکانات کے استعمال کا بھرپور مظاہرہ بھی کیا ہے۔عام فہم ہونا شاعری کے مقصد میں شامل نہیں ہے۔اس کا یہ منصب نہیں کہ وہ صرف اظہار کے شناسا وسیلے استعمال کرے۔اس میں شاعروں کو آزادہ روی کی گنجائش ملنی چاہیے لیکن اس آزادہ روی کو اپنے لیے مخصوص حد بندی بھی کرنی چاہیے۔چنانچہ لسانی تشکیل کا عمل تشکیل معانی کی صورت میں سامنے آیا ہے۔''۱۷

شمس الرحمٰن فاروقی بھی اپنی مضمون ''شعر، غیر شعر اور نثر'' میں نئی شاعری کی تعریف کے ضمن میں موزونیت،اجمال،جدلیاتی لفظ کے استعمال اور ابہام کو شاعری کا حسن قرار دیتے ہیں۔وہ لکھتے ہیں:

> ''میں مانتا ہوں کہ چونکہ نیا شاعر ارادی ابہام کا قائل ہے اور اگر نہیں ہے تو اسے ہونا چاہیے،اس لیے اس کا کلام پڑھتے وقت ذہن پر تھوڑا سا زور دینا پڑتا ہے۔یہ بھی ممکن ہے کہ کہیں کہیں بات پوری سمجھ میں نہ آئے۔لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ جو سمجھ میں نہ آئے وہ شعر نہیں۔۔۔۔ابہام اور غیر قطعیت (Indeterminancy) سے شعر کے معنوی حسن میں (اور اکثر ظاہری حسن میں بھی)اضافہ ہوتا ہے۔اگر آپ ابہام کو مقصد نہیں بلکہ ذریعہ سمجھ کر دیکھیں تو بات بہت حد تک صاف ہو جائے گی۔''۱۸

نیا شاعر اپنے شعری طرز اظہار کے وسائل کو بروئے کار لاتے ہوئے جدید شعریات میں نیا شعری دستورالعمل مرتب کرنے کی کوشش میں سرگرداں دکھائی دیتا ہے۔وہ اس امر سے آشنا ہے کہ شعری خیال مکمل ابلاغ کا متحمل نہیں ہوسکتا۔اس کی مثال اس مصور کی سی ہے تو اپنی داخلی کیفیات کے اظہار کے لیے کینوس پر مختلف رنگوں کے استعمال سے ایک خوبصورت رنگ کی تخلیق کرتا ہے، جو اس کی داخلی کیفیت کا ابلاغ کرے۔اس کے نزدیک رنگ کے بجائے تخلیق اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔نیا شاعر بھی الفاظ کو رنگوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتا۔الفاظ اس کے نزدیک مافی الضمیر کو شعر میں ڈھالنے کا ذریعہ ہیں،قائم بالذات نہیں۔نئی شاعری کی تفہیم میں نہ تو پرانے دیوان ہی کام آسکتے ہیں اور نہ ہی پرانی لغت۔اس کے افہام کے لیے الفاظ کی مدد سے شعری محرکات کا ادراک ضروری ہے۔بقول ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کہ:

> ''نظم جتنی زیادہ استعاراتی یا علامتی ہوگی،تہ نشیں بیانیہ میں خاموشیاں اتنی زیادہ ہوں گی یا خالی جگہیں ہوں گی، یا کچھ کڑیاں حذف ہوں گی،اور نظم میں معنی چوں کہ کئی سطحوں پر

کارگر ہوا ہے یا طرفین رکھتا ہے ان سب کو کھولنا قرأت کے تفاعل یا جمالیاتی لطف اندوزی کا حصہ ہے۔"[۱۹]

نئ شاعری جدید شعریات کو متشکل کرتے ہوئے تمثیلی، استعاراتی، علامتی اور اساطیری طرزِ اظہار کو بروئے کار لاتی ہے۔اس نئ حسیت اور نئے شعری باطن کی بازیافت کے لیے نیا شاعر رسمی ہیئتوں کی بجائے جذباتی ہیئتوں کو وقیع جانتا ہے۔ نئے شاعر کی وضع کردہ جذباتی ہیئتیں تجربات کے بیانِ محض کی بجائے محاکات اور استعاروں سے بنتے ٹوٹتے جذباتی مرقعوں کی مدد سے نظم کی بُنت کرتی ہیں۔انیس ناگی بھی جذباتی ہیئتوں کو نئ شاعری کی شعریات میں اہم گردانتے ہیں۔

درحقیقت نئ نظم عروض کو شاعری سے منہا کر کے ایک ایسے وزن کو دریافت کرنے کی سعی کرتی ہے جو بات چیت کا عروضی سانچہ ہو۔بات چیت کے اوزان مروجہ شاعری سے یکسر مختلف ہیں حتیٰ کہ بات چیت کا عروضی سانچہ نثر کے عروضی سانچے سے بھی مختلف ہے۔نئ نظم کا فنی اختصاص ہے کہ یہ صنفِ سخن بات چیت کے اوزان کو استعمال کر کے نثر اور پرانی شاعری کے درمیان ایک نئے شعری پیکر کی تخلیق کرتی ہے اور اس نئے شعری پیکر کے ذریعے جدید شعریات پرانے شعری سلاسل کو توڑتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔سلیم احمد لکھتے ہیں:

"نئ شاعری کی شعریات پرانی شاعری کی شعریات سے مختلف ہے نئ شاعری میں علامت، ذاتی سمبل، امیجز، صوتی آہنگ کا استعمال اور تشبیہ واستعارے کی زبان پرانی شاعری کے مقابلے پر اتنی بدلی ہوئی ہے کہ ایک نئ دنیا معلوم ہوتی ہے۔"[۲۰]

شاعر پرانی شعریات کو رد کرتے ہوئے جدید شعریات سے رشتہ استوار کرتا ہے۔اسی بناء پر اس کے ہاں تجربے کے فطری اور بے ساختہ اظہار کی فراوانی بھی ہے اور طریق اظہار کی تجربے سے ہم آہنگی بھی ہے۔جدید شعریات شاعری لکھنے سے زیادہ شاعری پڑھنے اور شعر سے لطف اندوز ہونے کا طریق فراہم کرتی ہے۔نیا شاعر جدید شعریات کے توسط سے اپنے عہد کے ادبی ذوق کی تنگنائے کو کشادگی عطا کرنے میں مصروفِ عمل رہا ہے۔

نئ شاعری کی تحریک سے وابستہ شعرا کرام میں سب سے اہم نام افتخار جالبؔ کا ہے۔وہ اس تحریک کے سرخیل اور بانی مبانی سمجھے جاتے ہیں۔انھوں نے لسانی حرمتوں کی توڑ پھوڑ کے علاوہ کلاسیکی اردو شاعری کے روایتی بتوں کو پاش پاش کرتے ہوئے نئے شعری معیار اپنانے کا عندیہ دیا۔اس ضمن میں انھوں نے تمثال، تجسیم اور ابہام کی وساطت سے نئ شعری کائنات تخلیق کر کے جدید شعریات کی بنیاد رکھی۔ جیلانیؔ کامران کا مجموعہ کلام "استانزے" نئ شعریات کا عکاس ہے، جس میں انھوں نے نئ نظم کے لیے جدید لسانی ربط وضبط، معنوی تکوین اور غیر کلاسیکی شعری لغت پر اصرار کیا ہے۔ جیلانیؔ کامران کا فنی اختصاص یہ ہے کہ ان کی نئ شاعری مابعد الطبیعاتی تصورات سے اخذ واستفادہ کرتے ہوئے نیا شعری باطن وضع کرتی ہے۔انیس ناگیؔ کی نظموں کا کلیات "بیگانگی کی

نظمیں‘‘، مخصوص حسیت کے جملہ عناصر کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ وہ نئی شاعری کی تحریک کے سربرآوردہ رکن رہے۔لیکن اس تحریک سے گہری وابستگی کے باوجود ان کی نظموں کے اسلوب میں زبان کی شکست وریخت کا عمل نئی شاعری سے وابستہ دیگر شاعروں کی نسبت کم شدید ہے۔ ان کی شعری منظومات میں لفظ کا جذباتی سیاق وسباق اس کے صرفی ونحوی سیاق وسباق پر حاوی نظر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے لسانی اسلوب کے ذریعے اپنے عہد کے نئے باطن کی بازیافت کرتے ہوئے ایسا لسانی پیرایہ مرتب کیا جو کہ نئی واردات کا بھرپور اظہار ہے۔ انیس ناگی کے نئے طرزِ احساس کی بازگشت نے ان کے ہم عصر شعرا پر دیرپا اثرات مرتسم کیے۔ اسی بناء پر اکثر وبیشتر نئے شعرا میں یہی بازگشت صاف سنائی دیتی ہے۔ نئے شعرا میں ان کا مرتبہ ومقام اس امر سے واضح ہے کہ ان کی پیروی کرنے والے ان سے آگے نہیں بڑھ پائے بلکہ اسی دائرے میں گھومتے رہے۔

نئی شاعری کی اقلیم کو سلیم الرحمٰن کی منظومات کی جلوہ افروزی بھی میسر آئی۔ ان کی نظمیں الفاظ کے دروبست، تراکیب کی چستی، تمثال نگاری اور علامتی حسن کاری سے مزین ہیں۔ عباس اطہر نے متنوع شعری اسلوب اور لسانی مرکبات کی تخلیق کی وساطت سے زبان کا نیا شعری باطن وضع کیا اور اسے جنسی استعاروں، شعور کے بہاؤ اور آزاد تلازم کی تکنیک سے تجربے کی کٹھالی میں ڈھالا ہے۔ زاہد ڈار نے اپنی نظم کو روزمرہ بول چال اور عام فہم استعاروں سے وقیع بنایا۔ وہ نیا شعری پیکر تخلیق کرتے ہوئے بھاری بھرکم الفاظ اور ان کے مرکباتی سلاسل کے بجائے عام فہم الفاظ میں مافی الضمیر ادا کرتے ہیں۔ ان کی نظمیں بالواسطہ دائروں میں گردش کرنے کی بجائے خطِ مستقیم پر رواں دواں رہتی ہے۔ تبسم کاشمیری نے نئی شاعری کی شعریات میں محض نئی لفظیات ہی کو رائج کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ نئی شعری صورتحال کے پس منظر میں جدید شعریات کی تخلیق بھی کی ہے۔ تبسم کاشمیری کی نئی نظم تجسیم کاری، علامت نگاری اور دیگر فنی لوازمات سے مملو ہو کر انشراح کے ساتھ ساتھ ابہام کی بھی غماز ہیں۔ سہیل احمد خاں کا لسانی اسلوب الفاظ کی معنوی جدت سے آراستہ ہو کر نت نئی لفظیات کی صورت گری کرتا ہوا نئی شعریات کی بازیافت کرتا ہے اور سعادت سعید کا متنوع لسانی اسلوب وجود اور آگہی کا تجربہ لیے ہوئے نئی تشکیلات کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ ان نئے شاعروں نے نئی شاعری کی جدید شعریات متشکل کرتے ہوئے اپنے آہنگ، لحن اور زبان سے اسے پرقوت سانچہ عطا کیا۔ اس طرح نئی شاعری خلا در خلا پُر کرنے والی اور نئی منزلوں کی بازیافت کرنے والی شاعری بن کر اُبھری جو کہ تخلیقی لحاظ سے زرخیز ترین ہے، اس کا پیغام حقیقی اور زبان لسانی ہے۔ نیا شاعر انہی امکانات کو حقائق کا روپ دیتے ہوئے فنی اور لفظی آزادیوں کا خواستگار ٹھہرتا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ شمیم حنفی، جدیدیت کی فلسفیانہ اساس، (دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۵ء)، ص: ۱۵۹

۲۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر، ’’نئی شاعری کا ماضی وحال‘‘، مشمولہ نئے شعری تجربے، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،

بار اول ۱۹۷۸ء)،ص:۱۴۲

۳۔ فضیل جعفری،''جدید نظم کا موجودہ منظر نامہ''،مشمولہ اردو نظم ۱۹۶۰ء کے بعد،(دہلی: اردو اکادمی،۱۹۹۵ء)،ص:۷

۴۔ سعادت سعید،ڈاکٹر،اردو نظم میں جدیدیت کی تحریک،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۷ء)،ص:۲۸۷

۵۔ شمس الرحمٰن فاروقی،''نئی شاعری: ایک امتحان''،مشمولہ لفظ و معنی،(آلہ آباد: کتاب گھر ۱۹۶۸ء)،ص:۱۲۶

۶۔ انیس ناگی،ڈاکٹر،ایک ادھوری سرگزشت،(لاہور: جمالیات ۲۰۰۸ء)،ص:۱۳۴

۷۔ کمار پاشی،''جدید شاعری: ایک سمپوزیم''،مشمولہ جدیدیت تجزیہ و تفہیم،مرتبہ ڈاکٹر منظر حنفی،(لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، بار اول ۱۹۸۵ء)،ص:۶۲۰۔۶۲۱

۸۔ عمیق حنفی،ایضاً،ص:۶۲۵

۹۔ شمیم حنفی،ڈاکٹر،جدیدیت اور نئی شاعری،(لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء)،ص:۳۶۴

۱۰۔ شہزاد احمد،سوال یہ ہے،مرتبہ نوشی انجم،(لاہور: بیکن بکس،۲۰۰۴ء)،ص:۲۸

۱۱۔ انیس ناگی،ڈاکٹر،''نئی شاعری کا منصوبہ''،مشمولہ نئی شاعری-ایک تنقیدی مطالعہ،مرتبہ افتخار جالب،(لاہور: نئی مطبوعات ۱۹۶۶ء)،ص:۵۸

۱۲۔ افتخار جالب،''لسانی تشکیلات''،مشمولہ نئی شاعری-ایک تنقیدی مطالعہ،ص ۲۴۹

۱۳۔ انیس ناگی،ڈاکٹر،''نئی شاعری اور امیج''،مشمولہ نئی شاعری-ایک تنقیدی مطالعہ،ص:۷۹

۱۴۔ سعادت سعید،ڈاکٹر،ادب اور نفی ادب،(لاہور: دستاویز مطبوعات ۱۹۹۸ء)،ص:۱۷

۱۵۔ قاضی محمد اسلم،سوال یہ ہے۔مرتبہ نوشی انجم،ص:۴۷

۱۶۔ ممتاز حسین،ادب و شعور،(کراچی: اردو سندھ اکیڈمی،۱۹۶۱ء)،ص:۹۳

۱۷۔ سعادت سعید،ڈاکٹر،''اردو نظم کے پچاس سال''،مشمولہ ماہنامہ ماہِ نو گولڈن جوبلی نمبر،(اگست ۱۹۹۷ء)،ص:۱۳۷

۱۸۔ شمس الرحمٰن فاروقی،''جدید شاعری: ایک سمپوزیم''،مشمولہ جدیدیت تجزیہ و تفہیم،مرتبہ ڈاکٹر منظر حنفی،ص:۶۴۹

۱۹۔ گوپی چند نارنگ،ڈاکٹر،''جدید نظم کی شعریات اور بیانیہ''،مشمولہ اردو نظم ۱۹۶۰ء کے بعد،ص:۳۹

۲۰۔ سلیم احمد،نئی شاعری: نامقبول شاعری،(کراچی: نفیس اکیڈمی،اگست ۱۹۸۹ء)،ص:۱۳۴

مآخذ:

۱۔ افتخار جالب،مرتب؛ نئی شاعری-ایک تنقیدی مطالعہ،لاہور: نئی مطبوعات ۱۹۶۶ء

۲۔ انیس ناگی،ڈاکٹر،ایک ادھوری سرگزشت،لاہور: جمالیات ۲۰۰۸ء

۳۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر،نئے شعری تجربے،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،بار اول،۱۹۸۷ء

۴۔ سعادت سعید،ڈاکٹر،ادب اور نفی ادب،لاہور: دستاویز مطبوعات،۱۹۹۸ء

۵۔ سعادت سعید،ڈاکٹر،اردو نظم میں جدیدیت کی تحریک،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۱۷ء

۶۔ سلیم احمد،نئی شاعری: نامقبول شاعری،کراچی: نفیس اکیڈمی،اگست ۱۹۸۹ء

۷۔ شمس الرحمٰن فاروقی،لفظ و معنی،آلہ آباد: کتاب گھر،۱۹۶۸ء

۸۔ شمیم حنفی،ڈاکٹر،جدیدیت اورنئی شاعری،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،۲۰۰۸ء
۹۔ شمیم حنفی،ڈاکٹر،جدیدیت کی فلسفیانہ اساس،دہلی:قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان،۲۰۰۵ء
۱۰۔ شہزاد احمد،سوال یہ ہے،مرتبہ نوشی انجم،لاہور:بیکن بکس،۲۰۰۴ء
۱۱۔ فضیل جعفری،اردو نظم ۱۹۶۰ء کے بعد،دہلی:اردو اکادمی،۱۹۹۵ء
۱۲۔ ماہِ نو(ماہنامہ) گولڈن جوبلی نمبر،اگست ۱۹۹۷ء
۱۳۔ ممتاز حسین،ادب وشعور،کراچی:اردو سندھ اکیڈمی،۱۹۶۱ء
۱۴۔ منظر حنفی،ڈاکٹر،مرتب؛ جدیدیت تجزیہ وتفہیم،لکھنؤ:نسیم بک ڈپو،بار اول ۱۹۸۵ء